Majallah Tahqiq
Research Journal of the
Faculty of Oriental Learning
Vol: 39, Sr.No.112, 2018 pp 59 - 78

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۹، جولائی۔ستمبر ۲۰۱۸ء، شمارہ ۱۱۲

گیتانجلی کے اُردو تراجم کا جائزہ

☆ حنا صبا

Abstract:

Gitanajali is a collection of poems by the Bengali poet Rebindranath Tagore. Tagore undertook the translations prior to a visit to England in 1912, where the poems were extremely well received. In 1913, Tagore became the hirrthon European to win the Nobel prize for literature largely for the English Gitanajali. The English Gitanajali became popular in the west, and was widely translated wordwide. In this article an effort has been made to translations of Gitanajali in Urdu.

ٹیگور کی شاعری کی بنیادی پہچان مختصر سی سو نظموں کا مجموعہ ''گیتانجلی'' ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ(۱) "Song offering" کے عنوان سے ٹیگور نے خود کیا اور اسی ترجمے کی وساطت سے اسے ۱۹۱۳ء میں ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

گیتانجلی کے اصل بنگلہ متن اور شاعر کے انگریزی ترجمہ میں بھی خاصا فرق ہے جس کا ذکر وہ خود بھی کرتا ہے:

> "My translations are frankly prose,____ my aim is to make them simple with just a suggestion of rhythm to give them a touch of the lyric, avoiding all archaisms and poetical conventions." (2)

علاوہ ازیں انگریزی ترجمہ کی اشاعت سے پہلے W.B. Yeats نے نہ صرف اس پر تعارف لکھا بلکہ زبان، گرامر اور ساخت کے حوالے سے بہت سی تبدیلیاں بھی کیں۔(۳)

لہٰذا گیتانجلی کے اُردو مترجمین کے سامنے دو انتخابات موجود تھے۔ ایک اصل بنگلہ متن اور دوسرا شاعر کا انگریزی ترجمہ۔ بیشتر نے بنگلہ سے ناآشنائی کی وجہ سے اس انگریزی متن کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔(۴)

☆ لیکچرر، گورنمنٹ کالج برائے خواتین ماڈل ٹاؤن لاہور۔

گیتا نجلی کا پہلا اُردو ترجمہ ۱۹۱۴ء میں نیاز فتح پوری نے کیا۔ جو اُردو ادب میں رومانوی رجحان کے نمایاں ناقدین میں سے ہیں۔

انتساب اکبرالٰہ آبادی سے منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جن کی حقیقت شناس نگاہ نے اس مجموعہ کو بہت پسند فرمایا۔'' (۵)

اس کے بعد ایک طویل ''مقدمہ'' میں شاعر کے نوبیل انعام کی تعریف، شاعری کے محاسن، اُردو اور فارسی شعراء کے حوالے اور آخر میں اپنے ترجمہ کے طریق کار پر بھی بحث کی ہے:

''میں نے یہ ترجمہ انگریزی سے کیا ہے اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی لفظ بغیر ترجمہ کے نہ رہ جائے۔'' (۶)

سب سے پہلی قابل توجہ چیز اس مجموعے کا عنوان ہے۔ نیاز صاحب خود بتاتے ہیں کہ: ٹیگور کے انگریزی گیتا نجلی کے عنوان Song offering کی مناسبت سے اس کا عنوان ''عرضِ نغمہ'' تجویز کیا ہے۔ ۷

ٹیگور نے گیتا نجلی کی بیشتر نظمیں بنگلہ گیت کی ہیئت میں لکھی تھیں جبکہ نیاز فتح پوری نے اُردو ترجمے میں اسے نثر کی طرز میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن پیراگراف کی بجائے ایک ایک مصرے کا ترجمہ ایک ایک سطر میں کیا ہے۔

یہاں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاعری کا ترجمہ نثر میں کرنے کا جواز کیا ہے؟ اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل احمد خان اپنے مضمون ''ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن'' میں کہتے ہیں کہ شاعری کا ترجمہ نثر میں کرنے سے یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے کہ عبارت سپاٹ ہو جائے گی اور شعر کا ترجمہ شعر میں کرنے سے اکثر مصنوعی یا مشینی انداز کی کاوش معلوم ہوتی ہے۔ اس ضمن میں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اصل متن کی زبان تہذیبی طور پر ہم سے قریب ہے تو شعر کا ترجمہ نثر میں ہی کرنا چاہیے۔ محض متن کے مشکل الفاظ حل کر دیے جائیں اور شعر کا ترجمہ اچھی نثر میں کر دیا جائے تو قاری اس سے زیادہ بہتر انداز میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ (۸)

نیاز فتح پوری نے اپنے اس ترجمے میں تقریباً یہی طریق کار اختیار کیا ہے اور بہت سی جگھوں پر وہ کامیاب بھی رہے ہیں مثلاً ایک نظم کا یہ حصہ دیکھا جا سکتا ہے:

''تو اپنے تخت سے اُترا اور میرے جھونپڑے کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اپنے ایک کونہ میں (بیٹھی ہوئی) اکیلی گا رہی تھی۔ میرے نغموں نے تیرے کانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، تو آیا اور میرے جھونپڑے کے دروازے آ کر کھڑا ہو گیا۔'' (۹)

Sanjukta Dasgupta نے اپنے مضمون میں ٹیگور کے مترجم کے اختیار اور بے اختیاری

کیفیات کو یوں بیان کیا ہے:

"A talented translator experiences therefore both resistance and resilence while translating Tagore's song in culturally alien language like English. It is the bilingual translator's auditory imagination that can monitor and control like a radar the choice of each word for the translated text as well as assess the felicity of the chain of words in each line and their fidelity to the original. It is the translator's exiting and arduous task to convey in the target language the emotire nuances that lie at the core of Tagore's songs." (10)

ٹیگور کے تراجم کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دل کو چھو لینے والی فکر اپنے حقیقی اور عمدہ لفظی پیرہن کے بغیر بھی اثر دکھاتی ہے۔ اس امر کا احساس خود ٹیگور کو بھی تھا۔

گیتا نجلی کے ضمن میں انگریزی قارئین اور ناقدین کی داد و تحسین کے بعد ٹیگور نے ولیم روتھنسٹائن کے نام خط میں لکھا تھا:

"I had no doubt that it was not the language but the earnest feeling expressed in a simple manner which touched their hearts."(11)

اب اگر ٹیگور کے اصل بنگلہ متن سے کیے ہوئے انگریزی ترجمے اور پھر اس کے اپنے انگریزی ترجمے (جس میں بہت سی تبدیلیاں ہیں) دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے نیاز فتح پوری کے ترجمے کو دیکھا جائے تو بہت سے امور کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

اصل بنگلہ سے انگریزی ترجمہ:

"For so long, for so long such drought, Indra, god of rain, in this heart of mine. I scan the bleak horizon_____nix, nought, Nowhere ever a fleck of a wetery line____." (12)

شاعر کا خود کیا ہوا انگریزی ترجمہ:

"The rain has held back for days and days, my God, in my

arid heart. The horizon is fiercely naked_____not the thinnest cover of a soft cloud,....."(13)

نیاز فتح پوری کا ترجمہ:

''اے میرے خدا۔ مدتیں گزریں کہ میرا دل تشنہ کام۔ بارانِ رحمت کو ترس رہا ہے۔ اُفق (دل) خوفناک طریقہ سے عریاں ہے۔ نرم بادل کی باریک سے باریک چادر بھی نہیں.....'' (۱۴)

ان مثالوں میں سب سے پہلا فرق تو Willian Radice اور ٹیگور کے انگریزی ترجمے میں یہ نظر آتا ہے کہ ٹیگور نے اپنے انگریزی ترجمے میں بارش کی دیوی اندرا کا ذکر نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ اسی کے تتبع میں نیاز صاحب بھی اصل بنگلہ متن کے ان الفاظ کو گرفت میں نہیں لا سکے لیکن یہ بات واضح ہے کہ بارش گھٹن، گرمی، حبس اور بادل کی استعاراتی فضا اُردو ترجمے میں بہت حد تک منتقل ہو گئی ہے نیز مترجم کا مذکورہ بالا دعوٰی بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہر لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔

اس ایک مثال سے نیاز فتح پوری کے نثری ترجمے کی یہ خوبی بھی نظر آجاتی ہے کہ نثر کے قالب میں بھی الفاظ کا انتخاب، تراکیب کا استعمال اور مجموعی پیش کش شاعرانہ طرز کی حامل ہے۔

مندرجہ بالا مثال میں مترجم نے ٹیگور کی ترکیب "Arid heart" کا ترجمہ ''دلِ تشنہ کام'' کیا ہے۔ جس سے تراکیب کے ضمن میں مترجم کا یہ دعوٰی درست معلوم ہوتا ہے:

''میں نے ترجمہ کرنے میں اس قسم کی ترکیبوں کا بالکل وہی انداز رکھا ہے جو اصل کتاب میں ہے اور اس سے صرف یہی منشا نہیں کہ ایک مترجم کا فرض ہی یہ تھا بلکہ مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ غیر زبانوں میں جو جدّت وندرت پائی جائے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اپنی زبان کو وسیع وشگفتہ بنانا ہے۔'' (۱۵)

اسی طرح "Last Fulfilment" (۱۶) کا ترجمہ ''وفائے آخرین'' (۱۷) اور "Audience Hall" (۱۸) ترجمہ ''سماع خانہ'' (۱۹) کیا ہے۔

نیاز صاحب کے ترجمے میں کئی جگہوں پر بریکٹ کا استعمال اور فٹ نوٹ کے مندرجات بھی ملتے ہیں جو ان کی اپنی تصریحات ہیں۔ لیکن عموماً ان کا استعمال بلا ضرورت نہیں کیا گیا، مثلاً

''دن تھا۔ جب وہ (کچھ لوگ) میرے گھر آئے اور کہا کہ ہمیں صرف تھوڑی سی جگہ چاہیے.....'' (۲۰)

اور پھر فٹ نوٹ میں درج ہے۔ ''یہ سیاسی نظم ہے''۔(۲۱)

اگر چہ بریکٹ کے استعمال کو ترجمہ میں ناگوار خیال کیا جاتا ہے لیکن یہاں اس کی اشد ضرورت اس لیے تھی کہ گیتانجلی کی بہت سی نظموں میں خدا کے لیے یہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ بندے کے گھر آتا ہے لہٰذا قاری کے لیے غلط فہمی کا واضح امکان تھا ___ اسی طرح فٹ نوٹ بھی غیر ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ مذہبی استعاروں میں سیاسی موضوع بیان ہوا ہے اور ویسے بھی مجموعے کے عمومی مزاج سے مختلف نظم ہے لہٰذا اس وضاحت کی بھرپور ضرورت تھی۔

مترجم کے عمومی محتاط انداز کے باوجود اس ترجمے میں کہیں کہیں ایسی خامیاں بھی ملتی ہیں کہ سارا تاثر ہی مجروح ہوتا ہے مثلاً:

''رات سنگِ موسٰی کی طرح سیاہ ہے۔''(۲۲)

اوّل تو شاعر نے اس مقام پر کوئی تشبیہ استعمال نہیں کی اور دوسرے ایک مختلف اور تقریباً معروضی انداز میں لکھی ہوئی شاعری کے ترجمے میں کسی مخصوص تلمیحی انداز کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

عرض نغمہ کا ایک ۱۹۶۲ء میں شائع کردہ ایڈیشن بھی ملتا ہے۔ جس میں ترجمے کا کوئی خاص فرق نہیں ہے لیکن مترجم کی درج ذیل تحریر قابل ذکر ہے:

> ''میں نے ٹیگور کی اس کتاب کا ترجمہ ۱۹۱۴ء میں کیا تھا اور اب تقریباً پچاس سال بعد اسے دیکھتا ہوں تو مجھے مقدمہ اور ترجمہ دونوں میں ردّوبدل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن میں نے اسے زیادہ تر ویسا ہی رہنے دیا ہے جیسا وہ پہلے تھا۔ گیتان جلی کو البتہ میں نے ''گیت انجلی'' کردیا ہے کیونکہ دراصل گیت اور انجلی سے مرکب ہے اور اسے گیتان جلی لکھنا درست نہیں۔''(۲۳)

اس کے بعد فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

''انجلی اُردو میں بھی مستعمل ہے جیسے انجلی بھر آٹا سائیں کو دے دو۔''(۲۴)

مجموعی طور پر گیتانجلی کے اس اوّلین اُردو ترجمے کو نفسِ مضمون اور مرکزی خیال کی ترجمانی کے باعث کامیابی کی سند عطا کی جاسکتی ہے۔

انگریزی کی وساطت سے گیتانجلی کا دوسرا مشہور اُردو ترجمہ فراق گورکھپوری نے کیا۔ اس پر عبدالرحمٰن بجنوری کے تحریر کردہ پیش لفظ سے ٹیگور کی شاعری اور اس کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے چند اشارے مل جاتے ہیں۔ فراق گورکھپوری نے بھی گیتانجلی کا ترجمہ نثر میں کیا ہے نیز یہ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں بلکہ معنوی

ترجمہ ہے اور اصل شاعری کی روح تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

ترجمہ کی سلاست اور روانی کا اندازہ محض ایک مثال سے کیا جا سکتا ہے:

''میں صرف لحہ بھر کے لیے تیرے پہلو میں بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جن کاموں کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لیے رکھا ہے انہیں میں بعد کو پورا کروں گا۔'' (۲۵)

فراقؔ کے ترجمہ میں عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ کی بجائے اُردو کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً جہاں نیاز فتح پوری نے ''وسیع البسط'' ۲۶ اور ''مسرت مرتعش'' ۲۷ جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں وہاں فراق گورکھپوری نے بالترتیب ''دور تک پھیلے ہوئے'' ۲۸ اور ''کپکپاتی ہوئی خوشی'' ۲۹ ترجمہ کیا ہے اور جہاں تک نثری ترجمے کا تعلق ہے تو ایک بالکل مختلف سانچے کی زبان میں کی گئی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان کے شعری قالب میں ڈھال بھی لیا جائے تو اصل سے اتنا ہی دور رہے گا لہٰذا بنیادی اہمیت اس بات کی ہے کہ نفس مضمون اور شعری تاثر کس حد تک منتقل ہو پاتا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر جیلانی کامران نے اپنے مضمون ''شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات'' میں عالمی ادب کے چند شاہکار شعری متون کا حوالہ دیا ہے جو نثری ترجمہ کی وجہ سے اپنی پہچان رکھتے ہیں مثلاً نکلسن نے اقبالؔ کی فارسی شاعری ''اسرارِ خودی'' کا ترجمہ انگریزی نثر میں کیا اور اسلوب کی بجائے مافیہ کو مدنظر رکھا۔ اسی طرح دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور گوئٹے کے فاؤسٹ کے انگریزی میں کیے گئے نثری ترجمے ہی ان کی مقبولیت کے ضامن بنے۔ ۳۰

اس تناظر میں فراق گورکھپوری کا یہ نثری ترجمہ اپنا جواز بھی رکھتا ہے اور اہمیت بھی۔ نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ فراقؔ نے خود شاعر ہوتے ہوئے بھی گیتا نجلی کے ترجمے کے لیے نثر کو ترجیح دی۔

بقول ڈاکٹر نوازش علی

''فراق نے گیتا نجلی کا ترجمہ نثر میں کیا ہے البتہ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت شاعرانہ وسائل سے بھی کام لیا ہے۔۔۔۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فراق نے اصل نظم کی روح کو اپنی گرفت میں لے کر اُردو میں اس روح کو منتقل کر دیا ہے۔۔۔۔

الفاظ اکہرے مفہوم میں استعمال نہیں ہوئے۔ انہوں نے الفاظ کے کئی ایک امکانات کو مدنظر رکھا ہے۔'' (۳۱)

طفیل پریس لاہور سے شائع ہونے والے فراق گورکھپوری کے مترجمہ گیتا نجلی کے اس اڈیشن کا ایک قابل ذکر پہلو ہر نظم کے ساتھ نفسِ مضمون کی مطابقت سے بنائے گئے تصویری خاکے Illustrations

بھی ہیں۔ مثلاً جہاں سفر کا استعارہ آیا ہے تو ایک شخص بانس پر گٹھڑی باندھے چلا جا رہا ہے۔ جہاں سنگیت کا استعارہ ہے وہاں مغنیہ ایک ساز لیے بیٹھی ہے اور موت کی علامت میں قبر کا نشان دکھایا ہے ـــــــ اس پیش کش میں بصری حس کی شمولیت سے تاثر کی نوعیت میں خوشگوار اضافہ ہوتا ہے۔

اُردو میں گیتا نجلی کا تیسرا قابلِ ذکر ترجمہ ''گُل نغمہ'' کے عنوان سے عبدالعزیز خالد نے انگریزی کی وساطت سے ۱۹۶۲ء میں کیا۔(۳۲) اس منظوم ترجمہ کے شروع میں بھی عبدالرحمٰن بجنوری کا وہی پیش لفظ درج ہے جو فراق گورکھپوری کے نثری ترجمے کے آغاز میں دیا گیا ہے۔

اس کے بعد محمود ایاز کا ترجمہ کردہ W.B. Yeats کا مشہور پیش لفظ ہے جو گیتا نجلی کے پہلے انگریزی اڈیشن میں شائع ہوا تھا۔ ساتھ ہی ٹیگور کے دو خطوط کا ترجمہ بھی ہے جس میں گیتا نجلی کے انگریزی ترجمہ، اشاعت اور مقبولیت کے حوالے سے شاعر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

''گیتا نجلی میں میرے جو گیت میں وہ میں نے قصداً نہیں لکھے۔ دراصل یہ میری روح کی آوازیں ہیں، میری روح کی عبادتیں ہیں، ان کے اندر میری زندگی کے وہ سارے دکھ سکھ وہ ساری بندگیاں ہیں جو الفاظ کا روپ دھار چکی ہیں۔'' (۳۳)

ٹیگور کی کثیر الجہت فنکاری اور ہمہ گیر شخصیت کے بارے راما نند چیٹر جی اور ابوالکلام آزاد کی آراء بھی پیش کی گئی ہیں۔ نیز ''میں ایک شاعر ہوں'' کے عنوان سے ٹیگور کی ایک تحریر کا کچھ حصہ بھی شامل ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ مجھے مذہبی پیشوا یا اخلاقی معلم نہ سمجھا جائے بلکہ میں تو صرف ایک شاعر ہوں:

''میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اپنے پیچھے کوئی قابلِ قدر چیز چھوڑوں گا بھی یا نہیں میں دوام کا آرزومند نہیں۔ بچہ کھیلتا ہے تو اس کا مقصد حصول نہیں ہوتا۔ اپنے کھیل کے لیے جو گھر وہ بناتا ہے اسے خود ہی ڈھا بھی دیتا ہے یا اسے ڈھے جانے کے لیے سرِراہ چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔'' (۳۴)

عبدالعزیز خالد نے مختلف نظموں کے لیے مختلف بحریں استعمال کی ہیں اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تکرارِ لفظی اور مصرعوں کی پیش کش کی چند صورتیں اصل سے قریب ہو گئیں جو نثری ترجمے میں ممکن نہ تھیں۔ مثلاً:

''روشنی!
روشنی ہے کہاں؟
آتش شوق سے
کر منور اسے!

شمع ہے شعلے کی ٹمٹماہٹ نہیں

میرے سرگشتہ دل! کیا یہی ہے مقدر ترا؟"(۳۵)

اسی نظم کے بنگلہ سے کیے گئے انگریزی ترجمے کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے:

"Where's the light, the light?

Ignite it with the fire of longing

The lamp is there, but no flame

What is this doom or my brow?" (36)

مترجم نے نفس مضمون کی مناسبت سے اُردو ترجمہ میں ہیئت کے تجربے بھی کیے ہیں مثلاً کسی جگہ طویل بحر ہے تو کسی جگہ خاصی مختصر بحر استعمال ہوئی ہے۔ وضاحت کے لیے دو مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں:

"خون آشام لہریں سناتی ہیں بچوں کو ترانے

جیسے ننھے کا جھولا جھلاتے سے گائے ماں لوریاں۔"(۳۷)

"نغمے الاپے

میں نے ہزاروں

ہر زیرو بحر کے

ہر کیف وکم کے

آرام ورم کے

لاو نعم کے

تفریح و غم کے

ان کے سروں سے

لیکن برابر

آواز آئی

وہ آرہا ہے

وہ آرہا ہے۔"(۳۸)

علاوہ ازیں مندرجہ بالا پہلی نظم میں تشبیہ کو جس عمدگی سے ترجمے میں منتقل کیا گیا ہے وہ یقیناً قابلِ

ستائش ہے۔William Radice نے اپنے ایک مضمون On translatin Tagore میں خاصی تحقیق کے بعد ٹیگور کو ترجمہ کرنے کے دس بنیادی اصول مختص کیے تھے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ترجمے میں کچھ نیا پن ہونا چاہیے اوراس کے لیے وہ Edward Thompson کے ترجموں پر اعتراض کرتا ہے کہ انگریزی قارئین کے لیے ٹیگور کی نظمیں مانوس اور روایتی سی لگتی ہیں۔(٣٩)

بالکل یہی اعتراض عبدالعزیز خالد کے اُردو تراجم پر بھی لاگو ہوسکتا ہے کہ عربی و فارسی کے الفاظ، مانوس تراکیب، روایتی لہجے اور کلاسیکی اسلوب کی وجہ سے بیشتر نظمیں کسی ندرت سے بیگانہ ہیں۔ مثلاً:

''بہار آفرینا! ترے فیض نے
کہ ہے گلشن آرائے کون و مکاں
عطا کر کے معمورۂ آرزو
دلِ مختصر کو کیا بے کراں!''(٤٠)

اُردو میں گیتانجلی کا ایک منظوم ترجمہ سیّد ظہیر عباس نے انگریزی کی وساطت سے ١٩٨٢ء میں کیا۔ (٤١) اسے مذکورہ بالا تینوں تراجم سے یوں بہتر کہا جاسکتا ہے کہ اس کی زبان آج کی اُردو سے قریب ہے۔ عربی و فارسی الفاظ اور کلاسیکی اسلوب کی بجائے اس ترجمے کی زبان آج کے قاری کے لیے زیادہ قابل فہم ہے:

''جانتا ہوں مرے مالک کہ ترے دامن میں
بے بہا میرے لیے دولت بے پایاں ہے
یہ بھی معلوم ہے اک تو ہے بڑا میرا رفیق
ہے خبر یہ بھی کہ تو خالقِ جسم و جاں ہے
پھر بھی مائل نہیں دل جلوۂ زیبا کی طرف
مُلتفت کتنا ہوں میں زینتِ دُنیا کی طرف''(٤٢)

ڈاکٹر عنوان چشتی ترجمے کے لیے سید ظہیر عباس کی منتخب کردہ بحر رمل کے بارے بتاتے ہیں:

''یہ بحر رواں دواں اور چست ہے اس میں بلا کی روانی اور تیزی ہے۔ اس لیے اس بحر کا آہنگ سنجیدہ افکار اور نازک و نادر خیالات اور شدید جذبات کے اظہار کے لیے موزوں ہے۔ چونکہ گیتانجلی میں فکر کو جذبہ اور جذبے کو فکر بنا دیا گیا ہے اس لیے گیتانجلی کے گیتوں کے ترجمہ کے لیے یہ بحر زیادہ موزوں ہے۔''(٤٣)

براہِ راست بنگلہ سے کیے ہوئے انگریزی ترجمہ اور شاعر کے اپنے ترجمہ سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سید ظہیر عباس نے متن سے مکمل وفاداری نہیں کی۔ لیکن اسے خامی کی بجائے خوبی کہا جاسکتا ہے۔ ٹیگور کا اپنا شعری ترجمہ:

"Pluck this little flower and take it, delay not! I fear lest it droop and drop into the dust......." (44)

William Radice کا براہِ راست بنگلہ متن سے کیا ہوا ترجمہ:

"Tear me, oh tear me _____
there isn't much time.
That I might fall, be shed to the dust." (45)

سید ظہیر عباس کا ترجمہ:

''آہ یہ قلبِ فسردہ گلِ ناچیز مرا
تیری سرکار میں میں لے کے جسے آیا ہوں
دے شرف اس کو کہیں تیرا اگر حسنِ قبول
میں یہ سمجھوں گا کہ ہاں میں بھی گراں مایا ہوں۔'' (۴۶)

یہ بات واضح ہے کہ شاعر نے اگرچہ گُل کا استعارہ دل کے لیے استعمال کیا تھا لیکن کہیں بھی اس کی تشریح نہیں کی لیکن سید ظہیر عباس نے اس میں ''گل ناچیز'' کے ساتھ قلبِ فسردہ کی وضاحت بھی پیش کر دی ہے۔ دراصل مترجم نے اصل متن سے مکمل وفاداری نہ کرتے ہوئے بھی ایک ایسا پُر اثر اسلوب پیش کیا ہے کہ لفظی تراجم کی نسبت زیادہ جاندار ہے۔

اس طریقہ کار کو ناقدینِ ''توضیحی ترجمہ'' یا ''تخلیقی ترجمہ'' کہتے ہیں جس میں مترجم اصل شاعر کے مافی الضمیر کو بخوبی سمجھتے ہوئے ترجمے میں مناسب حد تک تبدیلی کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس ترجمے میں متن سے چنداں دوری اس کی خامی نہیں بلکہ خوبی بن کر ابھرتی ہے۔

سید ظہیر عباس کے اس ترجمے کی پیش کش میں ایک کمی یہ ہے کہ نظموں کے نمبر شمار درج نہیں ہیں اور جہاں ایک نظم ختم ہوتی ہے وہیں سے ایک لکیر کے بعد دوسری نظم شروع ہو جاتی ہے اور آغاز میں کوئی فہرست بھی نہیں ہے لہٰذا دیگر تراجم یا اصل متن سے موازنے یا کسی حوالے کے لیے پڑھنے والے کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے۔

نیز خاصے محتاط انداز میں کیے ہوئے اس ترجمے میں بھی بعض جگہ فصاحت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

ع ''میں کہ مغرور تھا طاقت کی توانائی پر'' (۴۷)

گیتا نجلی کا ایک اور منظوم ترجمہ شاہنواز زیدی نے ۲۰۰۵ء میں کیا۔ آزاد نظم کے پیرایے میں کئے ہوئے اس ترجمے کے ماخذ اور زبان کے بارے میں مترجم یوں رقمطراز ہیں:

''جہاں ممکن ہوا انگریزی کی مدد سے بنگالی الفاظ کی خوشبو پکڑ کر ہندی اور اُردو کے مِلے جُلے لہجے میں بات کہنے کی کوشش کی ہے اور شاید کہیں بات بن گئی ہو۔'' (۴۸)

اس ترجمے کی ندرت اور خوبصورتی کا اندازہ پہلی نظم سے ہی ہو جاتا ہے:

''لطف و کرم نے تیرے مجھ کو
لافانی کر ڈالا
جیسے ایک صراحی مئے سے خالی ہو اور پھر بھر جائے
جیسے کوئی بانس کی پوری
تیرے ہاتھوں میں آئے تو نغمے نئے جگائے
تیرے ہاتھ مرا دل چھولیں تو یہ دیوانہ بھی تجھ کو
سرشاری و سرمستی کے
کیا کیا راگ سنائے
کیسے بھر جاتے ہیں جانے
مرے ان دونوں ہاتھوں میں
رحمت کے بے انت خزانے
تو دیتا ہے
دیتا جاتا ہے
جھولی پھر بھی نہیں بھر پائے۔'' (۴۹)

ٹیگور کی اصل گیتا نجلی کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی حیرت انگیز موسیقیت ہے جو ظاہر ہے ترجمہ

میں منتقل تو نہیں ہو سکتی لیکن مترجم نے شاعر کے اس مزاج کو سمجھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے لہٰذا موسیقیت کا ایک نیا قالب ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔اس ضمن میں گلزار نے بھی اس ترجمے کے پیش لفظ میں یہ رائے دی ہے:

''......ایک اور بات زیدی صاحب اور ٹیگور کو میرے حساب سے لازم وملزوم بناتی ہے وہ ہے دونوں کے مزاج کی موسیقیت! شاید یہی وجہ ہے کہ زیدی صاحب ٹیگور کی لے اور تال سے بچ نہیں سکے اور منظوم ترجمے کا فیصلہ کیا۔اور ترجمہ اس خوبصورتی سے بحر میں باندھا ہے کہ کہیں کوئی کھینچ تان محسوس نہیں ہوتی۔''(۵۰)

شاہنواز زیدی کے اس ترجمے کا اُردو کے دیگر تراجم سے فرق واضح کرنے کے لیے پہلی نظم سے ہی مثال دیکھی جا سکتی ہے جہاں ٹیگور کا اپنا انگریزی ترجمہ یوں ہے:

"This frail vessel thou emptiest again and again, and fillest it ever with fresher life." (51)

براہِ راست بنگلہ سے کیا گیا انگریزی ترجمہ:

"You exhaust me, then fill me up again with new life."(52)

نیاز فتح پوری کا لفظی ترجمہ:

''اس کمزور ظرف کو تو بار بار خالی کرتا ہے اور ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے معمور کر دیتا ہے''(۵۳)

شاہنواز زیدی کا ترجمہ:

''جیسے ایک صراحی مئے سے خالی ہو اور پھر بھر جائے۔''(۵۴)

اس تقابل سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاہنواز زیدی نے جو تجدید حیات وجذبات کے لیے مئے بھری صراحی کا تشبیہاتی انداز اختیار کیا ہے وہ ان کی اپنی اختراع ہونے کے باوجود ٹیگور کی نظم کی بہتر تفہیم کے لیے دوسرے تراجم سے کہیں زیادہ موثر ہے۔ایسی ہی تبدیلیوں کے بارے میں ف۔س اعجاز اپنے مضمون ''شاعری کا ترجمہ، چند عملی مسائل'' میں کہتے ہیں:

''اگر اصل سے راست ترجمے کے بجائے ترجمے سے ترجمہ کیا جا رہا ہو اور اس درمیانی ترجمے میں کوئی لفظی یا معنوی نقص رہ گیا تھا تو مترجم کو وہاں الجھن ہو سکتی ہے۔کہیں کہیں متن کے کسی ٹکڑے کو ترجمہ کا بہاؤ قبول نہیں کرتا اور اگر اس ٹکڑے کا ترجمہ کر دیا جائے تو ترجمے کی ترکیب بگڑ سکتی ہے۔کہیں محض ایک لفظ کی تبدیلی مترجمہ نظم کی معنویت اور ترسیل

کے لیے جادو اثر ثابت ہوتی ہے۔‘‘(۵۵)

گیتا نجلی کے مذکورہ بالا پانچ دستیاب تراجم کے علاوہ کتابی صورت میں دو تراجم کا تذکرہ نورالہدی کے مضمون ’’گیتا نجلی اور اس کے اُردو تراجم‘‘ میں ملتا ہے۔ایک گیتا نجلی کے عنوان سے شری کانت نے کیا جو راجپال اینڈ سنز لاہور سے شائع ہوا لیکن اس کا سنِ اشاعت معلوم نہیں۔اور دوسرا ’’ٹیگور کے گیت‘‘ کے عنوان سے پنجاب لٹریچر کمپنی لاہور سے شائع ہوا جبکہ سنِ اشاعت اور مترجم دونوں ہی نامعلوم ہیں۔(۵۶)

ان تراجم کے بارے مضمون نگار نے یہ رائے پیش کی ہے:

’’یہ دونوں ہی غالباً ہندی کے ان قارئین کے لیے لکھے گئے ہیں جو اُردو جانتے ہیں خالص اُردو قارئین کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہے۔(۵۷)

اسی طرح ڈاکٹر مشتاق صدف نے بھی اپنے مضمون میں مالک رام کے ترجمہ کردہ ’’گیتا نجلی‘‘ کا ذکر کیا ہے جو مئی ۱۹۴۴ء میں بھارت پستک بھنڈارے امرتسر سے شائع ہوا۔(۵۸)

اس کے علاوہ پروفیسر محمد سلیمان خورشید نے اپنے ایک مضمون میں گیتا نجلی کے مکمل نثری تراجم کا ذکر کرتے ہوئے شری کانت اور مالک رام کے علاوہ نرمل چندر، ایم اے لالہ پنڈی داس اور شانتی نرائن شاد کے نام بھی درج کیے ہیں۔(۵۹)

گیتا نجلی کا ایک منظوم ترجمہ منور لکھنوی نے بھی کیا تھا لیکن وہ شائع نہیں ہو سکا۔یہ انگریزی سے کیا گیا ترجمہ ہے۔جس کے بارے میں ڈاکٹر شباب للت لکھتے ہیں:

’’منور جیسا قادر الکلام شاعر اور مترجم ادائے مفہوم کے لیے سلیقے اور شعری نفاست کو بالائے طاق رکھ کر محض سپاٹ ترجمہ قاری کے قابل رکھنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ٹیگور کا متوقع قاری بھی ذہین اور حساس ہی ہو سکتا تھا اور منور نے بھی قاری کے ذوقِ سلیم کو تسلیم کر کے ترجمے کے مراحل سے گزرنا ضروری سمجھا۔‘‘(۶۰)

منور لکھنوی نے اس ترجمے میں مترنم بحریں استعمال کیں تاکہ اصل گیتوں کی غنائیت اور نغمگی برقرار رہے ــــــــ مثلاً یہ مشہور نظم:

’’دفعتاً دستِ راست پھیلایا　　اور یوں مجھ سے تو نے فرمایا
دیکھ لے اپنے روبرو مجھ کو　　بول کیا دے رہا ہے تُو مجھ کو
اف رے تیرا مذاقِ شاہانہ　　حاجتِ دو جہاں سے بیگانہ

اک بھکاری کے روپ میں آ کر　　　اور دستِ سوال پھیلا کر
اک بھکاری سے مانگتا ہے بھیک　　　اک تمسخر ہے یہ مرے نزدیک" (۶۱)

اس ترجمے کے غیر مطبوعہ قلمی نسخے سے ڈاکٹر شباب للت نے دیباچے کا کچھ حصہ نقل کیا ہے جس میں مترجم اپنی مشکلات کے بارے میں بتاتا ہے:

"سنسکرت اور انگریزی کے متعدد شاہکاروں کا ترجمہ کامیابی کے ساتھ کر چکا ہوں لیکن ان تراجم میں مجھے اتنی دشواری نہیں پیش آئی جتنی ٹیگور کی گیتا نجلی کے ترجمے میں پیش آئی۔ وجہ ظاہر ہے اگر چہ بنگالی زبان سنسکرت ہی کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے لیکن اس کا مزاج الگ ہے۔ اسی لیے بنگالی زبان کے شعری ادب میں ایک قسم کی معنوی لطافت اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ جس کی عکاسی کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔" (۶۲)

گیتا نجلی کے چند جزوی اُردو تراجم بھی ملتے ہیں۔ مثلاً شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے اپنی کتاب "ربندر ناتھ ٹھاکر۔ حیات و خدمات" میں اپنی ترجمہ کردہ منظومات کے چند ایک نمونے پیش کیے ہیں:

"یہ میری پراتھنا نہیں ـــــــ کہ
وقت مصیبت مجھے بچالو
بلکہ میرا مدعا ہے ـــــــ کہ
میں خطروں سے نہ گھبرا جاؤں

....

کوئی پرواہ نہیں ـــــــ اگر تم
رنج و غم سے نڈھال دل کو، دلاسا نہ دو
صرف مجھے یہ ہمت دو کہ میں
رنج و غم کا مقابلہ کر سکوں۔" (۶۳)

مترجم کے صاف اور سادہ انداز کا محض ایک مثال سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ پراتھنا کے علاوہ تمام الفاظ نہ صرف اُردو کے ہیں بلکہ انتہائی عام فہم بھی ہیں۔

قدیم ادبی رسالوں میں بھی چند ایسے تراجم مل جاتے ہیں جو عام طور پر میسر نہیں۔ مثلاً برق دہلوی نے گیتا نجلی کی نظم کا درج ذیل ترجمہ "عروس مرگ" کے عنوان سے کیا:

''جس روز موت آن کے در کھٹکھٹائے گی
کیا پیشکش وہ گھر سے ترے لے کے جائے گی
نذرِ اجل کروں گا متاعِ حیات میں
جانے نہ دوں گا اس کو کبھی خالی ہات میں
ثمرہ جہاں میں جو مری عمرِ رواں کا ہے
حاصل جو مری کشتِ بہار و خزاں کا ہے
وقتِ اخیر سامنے اس کے دھروں گا میں
سب کچھ عروسِ مرگ پہ صدقہ کروں گا میں'' (۶۴)

نفسِ مضمون کو بخوبی منتقل کر لینے کے باوجود برق دہلوی کا یہ ترجمہ قافیہ کی تلاش میں اپنی ندرت کھو بیٹھا ہے۔اسی طرح ''شاہ زمان'' کی ترجمہ کردہ اس نظم کو اس کے ساتھ اُردو رسم الخط میں پیش کئے گئے بنگلہ متن کے متوازی دیکھا جا سکتا ہے:

نغمہ	گان
سکون کا سمندر مرے سامنے ہے	سمو کھے شانتی پروار
تو ہی قطب تارے کی طرح میری رہنمائی کرے گا	جیا تر دھر و تار کا
اے مالک تو ہی میرا بیڑا پار لگا	بھاساؤ تر ڑیں، ہے کرنٹر دھار
اے میرے نگہبان تری رحمت اور کرم مجھ پر ہے اور رہے گا	ماتر ادا تا تمار۔اکشما، تمار دیا (۶۵)

گیتانجلی کے چند اُردو تراجم کا جائزہ پیش کرنے کے بعد حرفِ آخر کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہر ترجمہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کے باوجود ایک الگ انفرادیت کا حامل ہے نیز آئندہ تراجم کے لیے بھی معاون ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

1- Rabindranath Tagore, Song Offering; from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012

2- Rabindranath Tagore, The Spirit of Man from Introduction to Gitanjali by translator, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. xxxi

3- William Radice, Introduction to Gitanjali by translator, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. xviii

۴۔ نورالہدیٰ، گیتا نجلی اور اس کے اُردو تراجم، مضمون، مشمولہ: ماہنامہ کتاب نما، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص:۳۲

۵۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۱۰

۶۔ نیاز فتح پوری، مقدمہ، گیتا نجلی از ٹیگور، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۵۱

۷۔ ایضاً، ص:۲۴

۸۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ترجمہ، تالیف، تلخیص، اخذ کرنے کا فن، مضمون، مشمولہ: ترجمہ: روایت اور فن، مرتبہ: نثار احمد قریشی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص:۷۲

۹۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۱۰۵

10- Sanjukta Dasgupta, Resistance and Resilience Translating Rabindranath Tagore's Songs, from "Studies on Rabindranath Tagore", Vol. II, Edited by Mohit K. Ray, New Delhi: Atlantic Publishers, 2004, p. 182

11- Rabindranath Tagore, Letter to Willam Rothenstein, Dated 26th November 1932, from My Life in My Words Selected and Edited by Uma Das Gupta, New Delhi: Penguin Books,

2006, p. 170

12- William Radice, trans, Gitanjali Trans, by Tagore, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 91

13- Rabindranath Tagore, Song Offering from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 92

۱۴۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۹۲

۱۵۔ نیاز فتح پوری، مقدمہ، گیتا نجلی از ٹیگور، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۵۲

16- Rabindranath Tagore, Song Offering from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 38

۱۷۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۱۵۱

18- Rabindranath Tagore, Song Offering from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 75

۱۹۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۱۶۱

۲۰۔ ایضاً، ص:۸۶

۲۱۔ ایضاً، ص:۸۷

۲۲۔ ایضاً، ص:۸۱

۲۳۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان گیت انجلی، لکھنؤ: نامی پریس، ۱۹۶۲ء

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ فراق گورکھپوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، لاہور: طفیل پریس، سن ندارد، ص:۴۱

۲۶۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۵۸

۲۷۔ ایضاً، ص:۱۰۱

۲۸۔ فراق گورکھپوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، لاہور: طفیل پریس، سن ندارد، ص:۳۸

۲۹۔ ایضاً، ص:۸۳

۳۰۔ جیلانی کامران، پروفیسر، شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات، مضمون، مشمولہ: اُردو

زبان میں ترجمہ کے مسائل، مرتبہ: اعجاز راہی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۲۶

۳۱۔ نوازش علی، ڈاکٹر، فراق گورکھپوری......شخصیت اور فن، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۳ء، ص: ۶۶۰۔۶۶۲

۳۲۔ نور الہدیٰ، گیتا نجلی اور اس کے اُردو تراجم، مضمون، مشمولہ: ماہنامہ کتاب نما، دہلی: مکتبہ جامعہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص: ۳۲

۳۳۔ رابندر ناتھ ٹیگور، خط بنام اندرا دیوی چودھرانی، مورخہ ۶ مئی ۱۹۱۳ء، مشمولہ: گل نغمہ (گیتا نجلی)، مترجم: عبدالعزیز خالد، کراچی: مطبوعاتِ مشرق، ۱۹۶۲ء، ص: ۳۲

۳۴۔ رابندر ناتھ ٹیگور، میں ایک شاعر ہوں، مشمولہ: گل نغمہ (گیتا نجلی)، مترجم: عبدالعزیز خالد، کراچی: مطبوعاتِ مشرق، ۱۹۶۲ء، ص: ۴۸

۳۵۔ عبدالعزیز خالد، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان گل نغمہ، کراچی: مطبوعاتِ مشرق، ۱۹۶۲ء، ص: ۲۷

36- William Radice, trans., Gitanjali, by Tagore, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 67

۳۷۔ عبدالعزیز خالد، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان گل نغمہ، کراچی: مطبوعاتِ مشرق، ۱۹۶۲ء، ص: ۱۵۰

۳۸۔ ایضاً، ص: ۱۱۸

39- William Radice, On Translating Tagore, from "Indian Literature", Sahitya Akademi's Literary Bi-Monthly, May June 1986, p. 39

۴۰۔ عبدالعزیز خالد، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان گل نغمہ، کراچی: مطبوعاتِ مشرق، ۱۹۶۲ء، ص: ۵۵

۴۱۔ نور الہدیٰ، گیتا نجلی اور اس کے اُردو تراجم، مضمون، مشمولہ: ماہنامہ کتاب نما، دہلی: مکتبہ جامعہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص: ۳۲

۴۲۔ ظہیر عباس، سید، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص: ۵۸

۴۳۔ عنوان چشتی، ڈاکٹر، روحِ نغمہ اور نغمۂ روح کا شاعر، مضمون، مشمولہ: گیتا نجلی از ٹیگور، مترجم: سید ظہیر عباس، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۲

44- William Radice, trans, Gitanjali by Tagore, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 30

45- Rabindranath Tagore, Song Offering from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 31

۴۶۔ ظہیر عباس، سید، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص:۳۸

۴۷۔ ایضاً، ص:۶۲

۴۸۔ شاہنواز زیدی، اپنی بات، مشمولہ: گیتا نجلی از ٹیگور، مترجمہ: شاہنواز زیدی، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۵ء، ص:۱۰

۴۹۔ شاہنواز زیدی، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۵ء، ص:۱۳

۵۰۔ گلزار، پیش لفظ، مشمولہ: گیتا نجلی از ٹیگور، مترجمہ: شاہنواز زیدی، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۵ء، ص:۸

51- Rabindranath Tagore, Song Offering from Gitanjali, translated by William Radice, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 7

52- William Radice, trans, Gitanjali by Tagore, New Delhi: Penguin Books, 2012, p. 6

۵۳۔ نیاز فتح پوری، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، بعنوان عرضِ نغمہ، دہلی: آزاد بک ڈپو، سن ندارد، ص:۵۶

۵۴۔ شاہنواز زیدی، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۵ء، ص:۱۳

۵۵۔ ف۔س۔اعجاز، مضمون، شاعری کا ترجمہ، چند عملی مسائل، مشمولہ: ترجمہ کا فن اور روایت، مرتبہ: ڈاکٹر قمر رئیس، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص:۱۶۲

۵۶۔ نور الہدیٰ، گیتا نجلی اور اس کے اُردو تراجم، مضمون، مشمولہ: ماہنامہ کتاب نما، دہلی: مکتبہ جامعہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص:۳۴

۵۷۔ ایضاً، ص:۳۵

۵۸۔ مشتاق صدف، ڈاکٹر، ٹیگور کا فکری و تخلیقی میلان، مضمون، مشمولہ: رابندر ناتھ ٹیگور: فکر و فن، مرتبین: خالد محمود و شہزاد انجم، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲ء، ص:۲۸۴

۵۹۔ سلیمان خورشید، پروفیسر محمد، اُردو میں رابندر ناتھ ٹیگور کی گیتا نجلی، مضمون، مشمولہ: رابندر ناتھ ٹیگور: فکر و فن، مرتبین: خالد محمود و شہزاد انجم، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲ء، ص:۵۷۲

۶۰۔ شباب للت، ڈاکٹر، منور لکھنوی......ایک مطالعہ، نئی دہلی: موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص:۳۸۸

۶۱۔ منورلکھنوی، مترجم، گیتا نجلی از ٹیگور (غیر مطبوعہ)، بحوالہ ''منورلکھنوی ......ایک مطالعہ'' از ڈاکٹر شباب للت، نئی دہلی: موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۸۶

۶۲۔ منورلکھنوی، دیباچہ، گیتا نجلی از ٹیگور، مترجم: منورلکھنوی (غیر مطبوعہ)، بحوالہ ''منورلکھنوی...... ایک مطالعہ'' از ڈاکٹر شباب للت، نئی دہلی: موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۸۴

۶۳۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ربندر ناتھ ٹھاکر ...... حیات و خدمات، کلکتہ: مغربی بنگال اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۷۷۔۷۸

۶۴۔ برق دہلوی، مترجم، مشمولہ: رسالہ اضطراب، بنارس، ٹیگور نمبر...... ماہِ اکتوبر ونومبر ۱۹۴۱ء، ص: ۸

۶۵۔ ایضاً، ص: ۲۱